اسلام کا شورائی نظام اور جمہوریت

از قلم: حضرت العلام پیر محمد یعقوب قریشی صاحب شیخ الحدیث جامعۃ العلوم الأثریہ جہلم (قسط نمبر ۲۔ آخری)

شوریٰ: سابقہ کلام سے یہ بات واضح ہے کہ اسلام کا نظام ایک شورائی نظام ہے، جس سے امت مسلمہ کے دینی اجتہادی امور یا جن میں وحی موجود نہیں اور دنیاوی امور کو طے کیا جا سکتا ہے، یا الجھنے کے بعد انہیں سلجھایا جا سکتا ہے۔

لہذا ممالکِ اسلامیہ کیلئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے امور کیلئے شورائی نظام کو اپنائیں، اور اسی اصول کے مطابق اسلامی ممالک اپنے اختلاف کو دور کریں، جیسے یہ اصول ہر مسلم ملک کیلئے ضروری ہے، اسی طرح یہ اسلامی ممالک کے اختلاف کو دور کرنے کیلئے بھی ضروری ہے۔

اس اصول کے مطابق جس طرح بہتر اور آسانی سے اختلافات کو دور کیا جا سکتا ہے، ایسے کسی دوسرے ضابطے اور قاعدے سے ممکن نہیں، کیونکہ مجلس شوریٰ کے اہل علم، کتاب و سنت کے حامل، خدا ترس اور دوسروں کو اپنی ذات پر ترجیح دینے والے انسان جب اپنی ذات، کنبہ پروری، جلب منفعت اور خواہشات سے بالا ہو کر کام کریں گے تو فیصلہ ہر انسان کے لئے قابلِ قبول ہوگا اور ایسا ہی فیصلہ ملک کے لئے پائیدار اور مفید ہوگا۔ کسی بھی فیصلہ میں انصاف اور تقویٰ و پرہیزگاری کا وجود ضروری ہے۔

آج دنیا انصاف اور خوف الٰہی سے عاری ہوتی جا رہی ہے، جس کے باعث نتائج سب کے سامنے ہیں۔

چوری، قتل، ڈاکہ،، اغواء، فراڈ، لوٹ کھسوٹ، بدامنی، بے چینی، عدم تحفظ، دنیا بھر میں عام ہے، اور یہ محض اس لئے ہے کہ خوفِ الٰہی جاتا رہا۔

غزوۂ احد جس کے بیان میں اللہ تعالیٰ نے ﴿وشاورھم فی الأمر﴾ کا حکم بھی نازل فرمایا، اس میں دشمن سے دفاع کے بارے صحابہؓ میں یہ اختلاف سامنے آیا کہ دفاع مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر کیا جائے یا اس میں رہ کر عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی رائے یہ تھی کہ مدینہ طیبہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے، جب باہر نکل کر مقابلے کا فیصلہ ہوا تو وہ اپنے تین صد ساتھیوں کو لیکر واپس آگیا۔

غزوۂ احد میں باہر نکل کر دشمن سے مقابلہ کرنے کی رائے پر آپؐ نے عمل کیا، اس رائے پر عمل کرنے سے مسلمانوں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔ اگر آپؐ چاہتے تو اس شوریٰ کو ہمیشہ کیلئے ختم فرما دیتے، لیکن اس کی افادیت کے پیشِ نظر آپؐ نے اسے ختم نہیں فرمایا، کیونکہ آپ ﷺ سمجھتے تھے، اگر آج اس پر عمل کرنے سے نقصان ہوا

ہے تو کل فائدہ بھی ہو سکتا ہے اور یقیناً ہوا۔

غزوۂ احزاب میں حضرت سلمان فارسیؓ کی رائے پر عمل کرنے سے تاریخ بتاتی ہے کہ مسلمان نقصان سے بچ گئے۔

اگر غزوۂ احد میں باہر نکل کر دشمن کا مقابلہ کرنے کے مشورہ پر عمل کرنے سے نقصان پہنچا تو غزوۂ احزاب میں مدینہ طیبہ کے اندر رہ کر دشمن سے مقابلہ کرنے کے مشورہ سے مسلمان محفوظ بھی رہے۔ لہذا آپؐ نے شوریٰ کو ختم نہ فرمایا۔ نیز آپ ﷺ جانتے تھے کہ یہ دینِ اسلام، دنیا کی راہنمائی کیلئے آخری دین ہے اور غیر منصوص احکام میں وقت اور مقام کے تقاضے کے مطابق ردوبدل کی ضرورت ہے، لہذا آپ ﷺ نے شوریٰ اور وقت و مقام کے تقاضے کو کھلا چھوڑا، تاکہ اسلام قیامت تک دنیا کی صحیح راہنمائی کر سکے اور آج بحمد اللہ کر رہا ہے۔

انسان کی خاصیت ہے کہ وہ نقصان اٹھا کر سنبھلتا ہے اگر کسی وقت مجلسِ شوریٰ کی غلطی سے نقصان کا امکان ہے، تو ساتھ ہی دوسری طرف فوائد کے بھی امکانات ہیں۔

لیکن بعد کے آنے والے ادوار (حکومتوں) میں ذاتی اور سیاسی منفعت کے پیشِ نظر شورائی نظام باقی نہ رہا، جس کی وجہ سے آج اسلامی دنیا بھی بے چینی کا شکار ہے، خلفائے راشدینؓ کے وقت میں یہ بے چینی نہ تھی، آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ وقت آئیگا، جبکہ حیرہ سے بیت اللہ کے طواف کی غرض سے آنے والی عورت نہایت امن کی حالت میں طواف سے فراغت کے بعد واپس گھر پہنچے گی۔

اسلام چونکہ امتِ محمدیہؐ کو قیامت تک کیلئے آنے والے انسانوں کی راہنمائی کیلئے ایک صالح اور قائدانہ حیثیت میں پیش کر رہا تھا۔ لہذا اس میں قیادت کے اوصاف کا ہونا ضروری تھا، اور قیادت کی جملہ اوصاف میں مشاورت کا وصف نہایت ضروری تھا، لہذا نبی کریم ﷺ نے غزوۂ احد میں نقصان اٹھانے کے باوجود، آئندہ کیلئے مشاورت کو ترک نہیں فرمایا، بلکہ اسے جاری رکھ کر صحابہ کرامؓ کی تربیت کو جاری رکھا۔

﴿وشاورهم في الأمر﴾ ﴿وأمرهم شورىٰ بينهم﴾

ان دونوں آیات سے جو مفہوم اور نتیجہ سامنے آتا ہے، وہ یہ ہے کہ جیسے دوسری آیت سے عام انسانوں کو اپنے معاملات شوریٰ سے طے کرنے کا مشورہ دیا جا رہا ہے۔ پہلی آیت میں نبی کریم ﷺ کو غیر منصوص معاملات میں مشورہ کا حکم دیا جا رہا ہے ظاہر ہے کہ آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول خاتم النبیین ہونے کے ساتھ ساتھ مملکتِ اسلامیہ کے سربراہ بھی تھے، لہذا ان آیات سے جہاں اسلامی معاشرہ اور معاملات میں مشورہ کی ضرورت معلوم ہو رہی ہے، وہاں ایک اسلامی مملکت کیلئے مشورہ ایک اسلامی اصول کے طور پر سامنے آ رہا ہے، جس کے بغیر اسلامی حکومت، اسلامی نہیں ہو سکتی اور عوام کیلئے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بہتر ثمرات کی توقع نہیں رکھی جا سکتی، بلکہ جیسا کہ موجودہ وقت

میں نظر آرہا ہے ان کی توقع عبث ہے، لہٰذا اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہی ہو سکتی ہے جس میں امیر و رئیس کا انتخاب مشاورت سے ہی ہو سکتا ہے اور مشاورت بھی ایسے لوگوں سے جو صلاحیت، تقویٰ اور علم سے مزین ہوں اور خود غرضی وغیرہ سے مجتنب ہوں۔

مسلمانوں کے اسلامی، شورائی دور ہی کی برکت ہے، کہ آج اکثر دنیا شورائی نظام کے خدوخال کو اپناتے ہوئے جمہوریت کے نام پر حکومتوں کے نظام کو چلا رہی ہے۔ لیکن بدقسمتی سے موجودہ جمہوریت نے اکثر ایسے افراد کو صاحب الرائی بنادیا ہے جو رائے اور مشورہ کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

بلکہ برادری، دھونس دھاندلی اور روپے پیسے کے زور اور طاقت پر صاحب رائے اور صاحب مشورہ بن جاتے ہیں۔ اسمبلیوں میں پہنچ کر ان کا کام صرف اتنا ہوتا ہے کہ حکومت کی ہاں میں ہاں ملاتے جائیں، نہ وہ عالمی سیاست سے واقف اور نہ ملکی سیاست سے اور نہ ہی وہ اپنے حلقہ کیلئے کوئی مفاد حاصل کر سکیں، ان کی سیاست بھی دوسروں کے تابع اور حلقے کا مفاد بھی دوسروں کے تابع، ہاں! اگر انہیں کسی چیز کا علم اور واقفیت ہے تو وہ اپنا ذاتی اور خویش و اقارب کا مفاد ہے۔ جسے حاصل کرنے کیلئے وہ کوشاں رہتے ہیں۔

اسی مفاد پرستی کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اسلام نے مجلسِ شوریٰ کے ممبران میں خوف الٰہی اور تقویٰ کو ضروری قرار دیا ہے۔ یہ ہی وہ شے ہے جس سے انسان دوسروں کے مفاد کو پیشِ نظر رکھ سکتا ہے، لیکن بدقسمتی سے یہ مفقود ہے۔

اور یہ ہی خوفِ الٰہی اور تقویٰ وہ چیز ہے جس سے ایک اسلامی شورائی مملکت، کسی بھی جمہوریت پسند حکومت سے جدا ہے۔ یعنی: ادھر ممبران میں خوفِ الٰہی اور تقویٰ ضروری ہے، جبکہ جمہوریت میں ضروری نہیں، جمہوریت نے سبق تو اسلامی شورائی نظام سے لیا لیکن اس کا اچھا اور بنیادی اصول ترک کر بیٹھی حتیٰ کہ آج جمہوریت ہر طرح کی برائی کا شکار ہے اور اسے ذہنی، جسمانی نیز مالی لحاظ سے سکون و اطمینان حاصل نہیں۔ آج بھی اگر جمہوریت اس بنیادی اصول کو اپنا لے تو اسے برائیوں سے نجات حاصل کرنے کے ساتھ اطمینان و سکون نصیب ہو سکتا ہے۔

لیکن کیا کیا جائے موجودہ جمہوریت کو یہی اصل (ضابطہ) پسند نہیں، کیونکہ آج کا انسان، اغراض اور مفاد کا اسیر ہو چکا ہے، لہٰذا اس پر وہ ہر دوسری چیز کو قربان کرنے کیلئے تیار ہے لیکن ذاتی مفاد کو قربان کرنے کیلئے تیار نہیں۔

ہاں یہ درست ہے کہ بعض مغربی ممالک اور امریکہ میں ایسے ممبران موجود ہیں، جو ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی ممبر شپ سے مستعفی ہونے کو تیار ہیں، یا بعض نے استعفیٰ دے ہی دیا، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آخر ایسے انسان ہیں ہی کتنے؟ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں، تو اتنے سے اصلاح ممکن نہیں۔

موجودہ جمہوریت چونکہ امراءورؤساءاور ظالم بادشاہوں کے ظلم واستبداد سے تنگ آکر معرض وجود میں آئی، جس نے ممبرانِ اسمبلی کی حد تک شورائی نظام کو تو اپنایا، لیکن دوسری طرف اس نے ممبران کو اتنا بے لگام چھوڑا کہ وہ اپنے ذاتی مفاد میں اتنا بہہ گئے، جس سے جمہوریت کے ماتھے پر بدنما داغ ثبت ہو گیا۔ حتی کہ آج اس موجودہ جمہوریت سے سنجیدہ طبقہ نالاں اور متنفر ہے۔ اور اس کوشش میں ہے کہ کوئی ایسا منصفانہ، ایماندارانہ اور پر سکون نظام آئے جس سے دکھی دنیا کو سکون اور چین وامن کا سانس نصیب ہو سکے۔

حالات کی رفتار کو اگر دیکھا جائے اور ان پر ذرا غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ایک وقت آئیگا جس میں دنیا اسلامی شورائی نظام کے پرچم تلے سکون اور اطمینان پائے گی۔

اگر قیصر وکسری کی ورثہ کی حکومتیں اور انکا جبر واستبداد ٹوٹ سکتا ہے تو کوئی وجہ نہیں موجودہ جمہوری استبداد نہ ٹوٹے...... آخر اسی جمہوری دور میں جو کچھ دنیا میں ہو رہا ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ دنیا تنگ ہے اور امن و انصاف کی طلب گار ہے۔

اسلام دنیا کو ایسی جمہوریت کی راہ دکھاتا ہے جس میں ممبرانِ اسمبلی خوفِ الٰہی، انصاف پسند، امین اور تقویٰ کے مجسمہ ہوں اور جس میں ممبران کے اختیارات اور قانون، اسلام کے پیش کردہ احکام، قانون اور ضوابط کے مطابق ہوں، اور جس میں حکومت پر لازم ہو کہ ملازمتوں کی تقرری میں باصلاحیت افراد کی حق تلفی نہ ہو، انصاف کے حصول میں کسی سے زیادتی نہ ہو، غریب اور نادار کو روٹی، کپڑا، رہائش، علاج معالجہ اور تعلیم کی سہولت حاصل ہو، اتنا ہی نہیں بلکہ بوڑھے نادار مردوزن کی بڑھاپے میں، حفاظت اور اخراجات کی کفالت کی ذمہ داری ہو۔

اختلاف رائے: شوریٰ میں اختلاف رائے کا بھی امکان ہے اور اس صورت میں کیا امیر موجودہ جمہوریت کے طرزِ عمل پر اکثریت کی رائے کا پابند ہوگا؟ یا کتاب وسنت اور مملکت کیلئے کسی مفید چیز کا پابند ہوگا؟

ظاہر ہے جس مجلس شوریٰ کے نمائندگان کا متقی اور اہلِ علم سے ہونا ضروری ہے، جو عوام اور ملک کے مفاد کو پیشِ نظر رکھ سکیں تو اختلاف کی صورت میں فیصلہ بھی عوام اور ملک کے مفاد میں کتاب وسنت کے مطابق ہی ہوگا۔ خواہ نمائندگان کی اکثریت کا فیصلہ کچھ ہی ہو۔ کیونکہ کتاب وسنت سے اکثریت کے فیصلے کی پابندی کا کوئی اشارہ نہیں ملتا۔ لہذا پیچھے مذکور نمائندگانِ مجلس کے علم اور تقویٰ کی شرط کے باعث فیصلہ بھی علم و تقویٰ کے مطابق قابلِ قبول ہوگا، خواہ وہ فیصلہ اقلیت کا ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿واعتصموا بحبل الله جميعاً﴾ کا تقاضا بھی یہ ہی ہے۔

علامہ کرمانیؒ فرماتے ہیں: ''حبل'' سے مراد کتاب وسنت ہے۔ لہذا مفہوم یہ ہوا کہ اہلِ اسلام کیلئے اپنے جمیع تر معاملات میں الاعتصام بالکتاب والسنۃ ضروری ہے۔ نہ کہ اکثریت کا فیصلہ جبکہ حبل اللہ کے خلاف ہو۔

(فتح الباری : ۱۳ / ۲۴۵ ۔ طبع ادارات البحوث العلمیہ الریاض)

﴿وشاورھم فی الامر﴾ کے بعد کا جملہ ﴿فاذا عزمت فتوکل علی اللہ﴾ سے بھی اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے کہ مشورہ کے بعد آخری فیصلہ اور عزم آپ ﷺ ہی کا ہے۔ کیونکہ خطاب آپؐ سے ہے نہ کہ صحابہؓ سے، یعنی اگر آپ ﷺ صحابہؓ کا مشورہ صحیح پائیں تو اس پر عمل ہو سکتا ہے اور ً ا سلام کیلئے غیر مفید ہو تو اسے رد کر سکتے ہیں، اور اس میں نہ ہی تو مشورہ دینے والوں کی کوئی سبکی ہے اور نہ ہی مشورہ بے فائدہ..... کیونکہ مشورہ کی آراء ہی سے آپؐ کسی صحیح نتیجہ پر پہنچتے، اور سبکی اس لئے بھی نہیں کہ اہلِ مشورہ، مشورہ سے قبل سمجھتے ہیں کہ ہماری رائے رد بھی ہو سکتی ہے لہٰذا ایسی صورت میں کیا سبکی ؟

ایک خدشہ : اسلامی شورائی نظام میں، نمائندگانِ شوریٰ کی رائے کے رد کئے جانے کی صورت میں بعض اصحاب اسے جمہوریت کے خلاف سمجھتے ہیں اور یہ خدشہ ظاہر کرتے ہیں کہ اس طرح سے تو شورائی نظام کا امیر اور رئیس ایسے اختیارات کا مالک ہوگا جو ایک مستبد انسان کو حاصل ہوتے ہیں یا وہ دھکے سے حاصل کر لیتا ہے۔ لہٰذا یہ نظام کیسے بہتر ہو سکتا ہے ؟

تو اس کا واضح جواب یہ ہے کہ اسلامی مجلس شوریٰ کے ممبران کیلئے خوفِ الٰہی، متقی اور اہلِ علم سے ہونا ضروری ہے اور امیر کے لئے ان سے بھی بڑھ کر متقی ہونا ضروری ہے، لہٰذا اہلِ تقویٰ کی موجودگی میں استبداد کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، موجودہ جمہوری استبداد کی مانند، شورائی نظام میں استبداد کہاں ؟

یہ ایک مفروضہ ہے جسے حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں، ہم بیان کر آئے ہیں کہ موجودہ جمہوریت اور شورائیت میں مابہ الامتیاز یہ ہی خوفِ الٰہی، تقویٰ، دیانتداری، امانتداری اور صحیح اسلامی علم ہے۔ جس کے ہوتے ہوئے اس قسم کے مفروضے از خود دور ہو جاتے ہیں۔

ایک وقت گزرا جبکہ دنیا رؤسا اور بادشاہوں کے استبداد کی چکی میں پس رہی تھی، اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے اس نے جمہوریت کا سہارا لیا لیکن جب دنیا نے جمہوریت میں بھی مطلق العنانی، کنبہ پروری، لوٹ کھسوٹ، قتل و غارت اور فراڈ کو دیکھا تو اس سے نجات حاصل کرنے کیلئے اشتراکیت کو اپنایا، لیکن آج کون نہیں جانتا کہ اشتراکیت بھی اپنے تمام تر خوش کن نعروں کے باوجود عمیق گہرائیوں میں دفن ہو چکی ہے۔

آج اشتراکیت کے علمبردار روس نے بالآخر، اشتراکیت کے اصولوں کو ترک کر دینے میں ہی خیرت بھی حتی کہ اس کے قبضہ سے آج آٹھ دس مسلم ریاستوں کے ساتھ کئی ایک عیسائی ریاستیں بھی نکل گئیں۔ اور سٹالن کے مجسمہ کو نہایت حقارت سے زمین بوس کر دیا گیا..... آپ عنقریب دیکھیں گے اور سنیں گے کہ "لینن کے مقبرہ

کے طواف سے بھی اس کے حامی دور ہو چکے ہیں"۔

آج دنیا بے چین ہے۔ اسے جمہوریت میں چین ملا اور نہ ہی اشتراکیت میں اسے سکون نصیب ہوا، وقت کا دھارا پتہ دے رہا ہے، ادھر ادھر ٹھوکریں کھا کر دنیا، اسلام کے قواعد و ضوابط اور اس کے شورائی نظام ہی میں چین اور سکون پائے گی۔

مغرب اب بڑی تیزی سے زمین کی حرکت کے ساتھ ساتھ مشرق کو آرہا ہے، مغرب سے آنیوالے لوگوں سے بڑی کثرت کے ساتھ سنا جارہا ہے کہ اہلِ مغرب بڑی تیزی سے سکون و اطمینان کو حاصل کرنے کیلئے دائرہ اسلام میں داخل ہو رہے ہیں..... وہ سمجھنے لگے ہیں کہ اسلام کی سادگی، ایک دوسرے کی خیر خواہی اور ضوابط و آئین کی مضبوطی ہی میں انسانیت کی خیر خواہی اور نجات ہے، دوسرے قوانین کو ہم آزما چکے..... اب ذرا اسلام کے قوانین کو بھی اپنا دیکھیں۔

جمہوریت بالآخر لا قانونیت اور استبداد کو جنم دینے کے ساتھ ساتھ ہر وہ چیز سامنے لائی جو روسا اور مستبد بادشاہوں کے زمانہ میں موجود تھی فرق صرف اتنا ہے کہ شاہوں کے زمانہ میں برائی اور لا قانونیت ظاہر تھی جبکہ موجودہ جمہوریت میں یہ سب کچھ جمہوریت کے پردہ میں چھپی ہوئی ہیں۔ جمہوریت میں اگر ایک طرف افراط ہے تو اشتراکیت میں دوسری طرف تفریط، اور اسلام کے شورائی نظام میں نہ افراط اور نہ تفریط..... بلکہ آپ ﷺ کے فرمان کے مطابق (خير الأمور أوسطها) یعنی: "بہترین امور میانہ روی میں ہیں"۔ اور یقیناً میانہ روی ہی میں تمام امور کا حل ہوا کرتا ہے، جسے مستقبل کا انسان سمجھنے پر مجبور ہوگا، جمہوریت پسند انسانوں کے نزدیک امریکہ کی جمہوریت اگر انسانوں کی فلاح و بہبود کو سامنے لاتی ہے تو یہ ہی جمہوریت، بندروں کا شہر اور جونز ٹاؤن میں نوصد (900) انسانوں کی مجموعی خودکشی کو بھی سامنے لاتی ہے۔

آج سنجیدہ دنیا حیران ہے کہ آخر بندروں کے شہر آباد کرنے میں انسانیت کی کونسی خدمت ہے؟ کیا امریکہ میں سبھی لوگ، دنیا کی موجودہ آسائشوں میں برابر ہیں اور کوئی بھی انسان ضروریاتِ زندگی سے محروم نہیں؟ آخر سیاہ فام اور سفید فام انسانوں میں معاشی لحاظ سے ضرور فرق ہوگا، ان پر رقم خرچ کرنے کی بجائے بندروں پر خرچ کرنے میں کیا فائدہ؟

اگر بندروں سے نوعِ انسان کے لئے کوئی ریسرچ مطلوب ہے، تو وہ چند بندروں سے بھی ہو سکتی ہے، جیسے اکثر دنیا میں ہوتی ہے..... یہ بھی دراصل جمہوریت کی بے راہ روی کا نتیجہ ہے کہ بعض انسان تعیش میں اتنے آگے نکل گئے کہ انہیں بندروں کی شہریت کی سوجھی، اگر ان سے کوئی کام لینا مطلوب ہے۔ تو کیا ان کی جگہ انسانوں کی کمی ہے،

یہ محض، تعیش، سرمایہ اور موجودہ جمہوریت کا کرشمہ ہے کہ انسان آج ان چونچلوں پر اتر آیا ہے۔

کسی نے کیا ہی خوب کہا ہے :"جب انسان کو فراغت اور سرمایہ حاصل ہو تو وہ فساد کا راستہ اختیار کر لیتا ہے"۔

جمہوریت : موجودہ دور کی جمہوریت جسے جمہور عوام کی رائے اور حاکمیت سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ ایک خوش کن خواب ہے جو شاید حقیقت کا روپ نہ اپنا سکے دراصل انسان بالطبع اور اپنی ضرورتوں کے پیشِ نظر تمدن کی ایک ایسی شکل و صورت لے کر آیا ہے جس سے اس کی ضرورتوں کا پورا ہونا ضروری ہے۔

تمدن ہی نے انسان کو مختلف ادوار اور نظام ہائے حکومت سے گزارتے ہوئے بالآخر جمہوریت تک پہنچایا انسان جمہوریت تک تو بظاہر پہنچ گیا، لیکن جس جمہوریت کا انسان نے خواب دیکھا وہ ابھی بہت دور ہے اور ہو سکتا ہے کہ وہ مستقبل میں بھی اسے نصیب نہ ہو سکے۔ جس جمہوریت کو انسان نے بالآخر پسند کیا وہ تو یہ تھی کہ تمام ملکی انسانوں کی تمام ضرورتیں جمہور ہی کے ہاتھوں حل ہونگی، خوراک، لباس، مکان صحت، تعلیم اور دوسری ضرورتوں میں ملک کے تمام انسان مل جل کر ایک دوسرے کی ضرورت کو پورا کریں گے خواہ اس جمہوریت کا اقتدار اعلیٰ کسی بادشاہ کے پاس ہو یا کسی پارلیمنٹ کے پاس اور یا پھر وزیر اعظم اور اس کے چند ساتھیوں کے پاس۔

لیکن بادشاہت، پارلیمنٹ اور وزیر اعظم اور اس کے چند ساتھیوں کا اقتدار اعلیٰ دنیا کے بعض بعض ممالک میں تو موجود ہے۔ لیکن جمہور عوام کی خواہشات کی تکمیل بہت کم نظر آرہی ہے، جس کے پیش نظر کہا جا سکتا ہے کہ جمہوریت اپنے اصل خدوخال میں موجود نہیں۔ جمہور عوام نے خواب تو یہ دیکھا تھا کہ انسان مل جل کر ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں کام آئیں گے...... لیکن آج نمائندگان کے انتخاب میں جو نتیجہ سامنے آتا ہے وہ دکھ درد میں کام آنے کی بجائے دکھ درد کو پیدا کرتا ہے۔ آج جمہوری دنیا کا کونسا حلقہ انتخاب ہے جس میں انتخاب کے بعد اور انتخاب کے دوران قتل و خون، دشمنی، رشتہ داروں میں بعد اور دوری نہ پیدا ہوتی ہو، رشتہ دار ایک دوسرے سے اتنے دور ہو جاتے ہیں کہ مرنے، جینے میں بھی وہ ایک دوسرے کے کام نہیں آتے۔

جمہوریت کو اختیار کرنے والی دنیا کا خیال تو یہ تھا کہ اس سے اخوت برادری، ایک دوسرے سے میل ملاپ، خیر خواہی اور تعاون کی صلاحیتیں پیدا ہونگی، لیکن حالات دیکھنے اور سننے میں اس کے بالکل برعکس نظر آرہے ہیں، خیر خواہی کی جگہ بد خواہی تعاون کی جگہ عدم تعاون بلکہ دشمنی تک کے حالات نظر آتے ہیں۔

اور پھر اتنا ہی نہیں بلکہ جو نمائندگان عوام کے تعاون (ووٹ) سے پارلیمنٹ اور پھر آگے حکومت کے اقتدار تک پہنچتے ہیں، ان کی روش عوام سے بھی زیادہ تکلیف دہ ہے۔

بوقتِ انتخاب تو وہ ہر طرح کی خیر خواہی، تعاون اور ضرورتوں کو پورا کرنے کا وعدہ کرتے ہیں لیکن کامیابی

کے بعد وہ یوں عنقا (غائب) ہو جاتے ہیں جیسے مستقبل میں انہیں دوبارہ عوام (ووٹروں) کی ضرورت ہی نہ ہو گی۔

عوام کی خیر خواہی کی بجائے اپنی ذات کنبہ پروری، دوستوں کی دوستی اور جلبِ منفعت کا یوں شکار ہو جاتے ہیں جس سے سنجیدہ طبقہ جمہوریت سے "الامان والحفیظ" پناہ مانگنے لگتا ہے۔

جمہوریت کی ایک غرض یہ بھی تھی، کہ عوام کو چین اور اطمینان کی زندگی نصیب ہو لیکن آج جمہوریت پسند ملکوں پر ایک نظر دوڑائیے اور اخبارات کو اٹھا کر دیکھئے، کہ آج امریکہ جیسے جمہوری ملک میں جمہوریت کیا رنگ لا رہی ہے۔ بنکوں میں لاکھوں روپے کے فراڈ، کاروں کی چوری، کاروبار میں ہیرا پھیری کسی بھی غیر جمہوری ملک سے کم نہیں، اور مذہبی اقدار کو دیکھا جائے تو جمہوری ملک اس اعتبار سے دیوالیہ ہو چکے ہیں۔ زنا کو کوئی زنا سمجھتا ہی نہیں، ان ملکوں میں زنا کی تعریف یہ ہے کہ اگر زنا بالجبر ہو تو زنا ہے ورنہ نہیں، ناجائز بچوں کی پیدائش عروج پر ہے۔

نتیجتاً...... اولاد کو والدین سے محبت نہیں اور نہ ہی والدین کو اولاد سے، بلکہ کنبہ اور برادری سسٹم ختم ہو کر رہ گیا ہے۔

بلوغت کے بعد بچے جہاں اور جیسے چاہیں زندگی بسر کریں وہ برادری اور والدین کے اقدار اور سسٹم کی پابندی اور انہیں تسلیم کرنے کیلئے تیار نہیں۔۔۔۔ چاروں طرف بیگانگی ہی بیگانگی ہے حتیٰ کہ والدین کا بڑھاپے میں اولاد پر کوئی سہارا نہیں اور نہ ہی اولاد کو والدین کی کوئی فکر ہے، بس گورنمنٹ کے قائم کردہ ادارے ہیں جو بوڑھوں اور اپاہج انسانوں کو سنبھالتے ہیں ...... ظاہر ہے ایک سرکاری ملازم میں دوسروں کو سنبھالنے کی وہ کیفیت نہیں ہو سکتی جو اولاد میں والدین کے بارے ہو سکتی ہے...... آخر خونی رشتہ اور غیر خونی میں یہ ہی تو فرق ہے۔

یہ سب کچھ غلط جمہوریت کا ثمرہ ہے۔ حتیٰ کہ آج ان ملکوں کے بعض سنجیدہ لوگ، اولاد اور رشتہ داروں کی بیگانگی کو دیکھ کر یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سب کچھ موجودہ غلط جمہوریت کا نتیجہ ہے" حتیٰ کہ اولاد جہاں چاہتی ہے اپنی مرضی سے شادی بیاہ کے معاملات کو طے کرتی ہے، خواہ والدین رضامند نہ بھی ہوں، بلکہ انہیں خاموشی اختیار کرنا پڑتی ہے۔

یہ غلط جمہوریت اتنی پیش قدمی کر چکی ہے۔ کہ آج ان ممالک میں رہنے والے تارکینِ وطن بھی اولاد کی مرضی کے تابع ہیں، والدین برادری سسٹم کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے، کنبہ اور قبیلہ کے اندر رہنا چاہتے ہیں لیکن اولاد ماننے کے لئے تیار نہیں۔ وہ اپنی مرضی سے جہاں چاہتی ہے شادی بیاہ رچاتی ہے۔

ظاہر ہے جب خونی رشتہ میں بعد پیدا ہوتا چلا جائیگا تو پیار، محبت اور اخوت کی قدریں مفقود ہوتی چلی جائیں گی۔ اور بالآخر اجنبیت ہی کا دور دورہ ہو گا، آج یہ ہی کیفیت مغربی جمہوریت میں نمایاں طور پر نظر آ رہی ہے۔

گو مغربی جمہوریت نے خوراک، لباس، مکان، تعلیم اور علاج معالجہ کا انتظام کر لیا ہے لیکن دوسری

طرف فراڈ، ڈاکہ، چوری، ہیرا پھیری قتل اور زنا جیسے امور کے انتظام میں ناکام ہے، اور ایسے ہی خونی رشتوں کو برقرار رکھنے میں بھی ناکام۔

ان مغربی ممالک میں بعض انسانوں کا ایسا طبقہ بھی موجود ہے جو جمہوریت کے ان ناپسندیدہ ثمرات سے نالاں ہے اور وہ یہ خواہش رکھتا ہے کہ ہمیں پہلے پسندیدہ اقدار کی طرف لوٹ آنا چاہیے۔ کیونکہ ان ہی میں انسانیت کی بہتری اور عزت ہے اور ان ہی میں انسانی زندگی کا صحیح عروج ہے۔ کیونکہ جن اقدار میں انسان کی عزت نہیں وہاں کچھ بھی نہیں، عزت ہی سب کچھ ہے۔

موجودہ جمہوریت میں نہ انسان کا دین، مذہب رہا اور نہ عزتِ نفس باقی رہی۔

جہاں تک انسان کی ضرورتوں کا تعلق ہے۔ وہ ان ممالک میں انسان کو کسی حد تک میسر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود سرمایہ دار ان ممالک میں بھی سرمایہ کے وسائل پر کافی حد تک قابض ہے، وہ غریب عوام کے غیظ و غضب سے ڈرتے ہوئے، ٹیکسوں کے ذریعے ان کی ضرورتوں کو پورا تو کرتا ہے لیکن قومی دولت اور سرمایہ کے وسائل میں غریب کو آگے نہیں آنے دیتا۔ حتی کہ اگر قانون میں تبدیلی کی ضرورت ہو تو وہ تبدیلی لانے میں بھی کسی قسم کا حجاب اور رکاوٹ محسوس نہیں کرتا...... کیونکہ پارلیمنٹ اور حکومت میں اصل طاقت اس کے قبضہ اور ہاتھ میں ہوتی ہے وہ جب چاہے تبدیلی لا سکتا ہے۔

اس ناروا سرمایہ دار کی طاقت کو دیکھ کر اشتراکیت پسند دنیا نے سرمایہ دار کے خاتمہ کے علاوہ کوئی دوسری صورت نہ پائی، حتی کہ اسے ختم کرتے ہوئے اس کے سرمایہ پر قبضہ کر لیا...... اشتراکی حکومتوں کا قیام دراصل جمہوریت پسندوں کی غلط روش کا ہی نتیجہ ہے جو دوسروں کے وسائل کا راستہ روکتے ہیں۔

ماضی بعید میں شاہوں، امیروں اور وڈیروں سے تنگ آکر انسانوں نے جمہوریت کا راستہ اختیار کیا، اور جمہوریت سے تنگ آکر اشتراکیت کا اور آج اشتراکیت بھی روس میں تو دم توڑ چکی ہے۔ اور باقی ماندہ اشتراکی دنیا میں بھی اس کا خاتمہ یقینی ہے۔

جمہوریت جو دراصل اسلام کے شورائی نظام سے ماخوذ ہے اگر وہ اپنے اصل خد و خال پر رہتی تو اس میں جیسے انسان نے سمجھا تھا، انسان کی بھلائی اور خیر خواہی تھی لیکن بالآخر شاہوں اور امیروں کے سے نظام پر اتر آنے کے بعد وہ اپنی افادیت کھو چکی، حتی کہ اشتراکیت نے جنم لیا، جسے انسان نے آزمایا تو ضرور لیکن پون صدی آزمانے کے بعد، انسان نے سمجھا کہ یہ بھی ایک غیر فطرتی نظام ہے۔ جس میں انسان دن بدن کمزور تو ہو سکتا ہے لیکن سر نہیں اٹھا سکتا۔

اب مستقبل کی فضاء پتہ دے رہی ہے کہ انسان کیلئے بالآخر اسلام کے شورائی نظام کو اپنانے میں ہی بہتری ہے

جس میں جمہور عوام کی خیر خواہی کو پیش نظر رکھا گیا ہے اور جس میں نیک ۔ متدین، خیر خواہ اور اسلام پسند نمائندگان کی نمائندگی کو لازم قرار دیا گیا ہے نہ کہ روپے پیسے اور برادری کے زور پر جو چاہے آگے آجائے۔

اسلام کے اس شورائی نظام ہی کی یہ خیر و برکت تھی کہ دنیا نے اسلام کو قبول کیا اور دنیا کے اطراف میں یہ پہنچا۔

اسلام کے شورائی نظام میں آپ ﷺ کے مندرجہ ذیل اقوال کو بنیادی حیثیت حاصل ہے :

(لا خلابة فی الاسلام) (المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده)

یعنی : اسلام دھوکے کی اجازت نہیں دیتا، خواہ اس کا تعلق معاشرت سے ہو، خرید و فروخت سے ہو یا زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو...... اسلام صاف گوئی کو چاہتا ہے۔ ظاہر ہے دل اور زبان کی صفائی ایک ایسا وصف ہے، جس سے دنیا میں امن اور چین کی ضمانت ملتی ہے۔ ورنہ زندگی کے ہر شعبہ میں بالآخر فساد جڑ پکڑتا ہے اور امن و چین عنقاء ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان : ﴿ظهر الفساد فی البر والبحر بما كسبت أيدي الناس﴾ (خشکی اور تری میں جو فساد بپا ہو گیا ہے وہ لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کا نتیجہ ہے) کا اعلان انسان کی اسی غلط روش پر ہے۔

فساد عورت کے متعلق ہو یا زمین اور دولت کے بارے میں یا خرید و فروخت اور لین دین کے بارہ میں اس کی اصل علت اور وجہ انسان کی ذہنی اور لسانی الجھن ہی ہے......اگر صاف گوئی سے کام لیا جائے تو ہر ایک مطمئن ہوتا ہے اور فساد کے راستے بند ہو جانے سے سکون و اطمینان کی فضاء برقرار رہتی ہے۔

آج دنیا میں اکثر فسادات کی وجہ یہ ہی دھوکہ بازی ہے جسے اسلام پسند نہیں کرتا۔

آپ ﷺ کے دوسرے فرمان میں مسلمان کو مسلمان کے ہاتھوں یا زبان سے کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچتی۔

ظاہر ہے خون خرابہ، بے عزتی ہاتھ اور زبان ہی سے ہوتی ہے جو معاشرہ کی سب سے بڑی خرابی ہے لھذا دھوکہ بازی اور زبان درازی یہ دو ایسی چیزیں ہیں جو امن اور سکون کو تباہ کر دیتی ہیں اور معاشرہ بے چینی کا شکار ہو جاتا ہے

آج ساری دنیا خواہ جمہوری ہو یا اشتراکی ان دو وصفوں کا نہ خیال رکھتے ہوئے بے چینی کا شکار ہے۔ کونسا جمہوری ملک ہے جہاں دھوکہ کی فضاء موجود نہیں، یا زبان کی ہیرا پھیری نہیں ؟

لہذا ہم تو یہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ موجودہ جمہوریت میں بھی انسان نے جو امن و چین اور انسانی ضرورتوں کے پورا ہونے کا خواب دیکھا تھا وہ پورا ہوتے ہوئے نظر نہیں آرہا...... کیوں ؟

اس لئے کہ جمہور عوام کے نمائندوں میں خوف الٰہی اور خشیت کے بجائے لالچ، کنبہ پروری اور جلب منفعت کا رجحان غالب ہے۔

اتنا ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر موجودہ جمہوریت نے دین و مذہب کو بے پناہ نقصان پہنچایا ہے۔ دین خواہ عیسائی ہو یا یہودی بدھ مذہب یا ہندومت، یا کوئی اور یا پھر اسلام۔

جمہوریت ہی کی یہ مہربانی ہے کہ آج ریڈیو، سینما اور ٹی وی مذہبی اقدار کے خلاف پوری قوت سے کار فرما ہے۔

نیکی کا پھیلاؤ اور بدی کو روکنا ہر مذہب کا بنیادی مسئلہ ہے۔ لیکن یہ تفریحی ادارے، قتل و غارت، ڈاکہ زنی چوری اور فراڈ نیز بے حیائی، عریانی اور حسن کی نمائش میں پیش پیش ہیں۔ بلکہ ایسے طریقے بتاتے ہیں جن کو نوجوان طبقہ بڑے فخر سے اختیار کرتا ہے۔ حکومت سب کچھ دیکھتی ہے لیکن جمہوریت کے باعث بے بس ہے اور یہ وباء اتنی عام ہو چکی ہے کہ آج دنیا دہشت گردی کا شکار ہے۔

جسے کوئی بھی امن پسند انسان پسند نہیں کرتا لیکن اس کے باوجود اس پر قابو نہیں پایا جا سکا، یہ محض اس لئے ہے کہ جمہوریت عوام کی رائے اور خیال کی پابند ہے جو امن کو تو چاہتے ہیں لیکن دوسری طرف سخت سزاؤں کو بھی پسند نہیں کرتے۔ نیز اس بے چینی میں چونکہ بڑے لوگوں کا بھی ہاتھ ہوتا ہے جو قانون تک کو بدلنے کی قوت رکھتے ہیں لہذا، اس پر قابو پانے میں حکومتیں ناکام ہیں۔

اسلام میں منبر رسولؐ ایک مستقل مضبوط فورم ہے، جو شرعی احکام کو عوام تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے۔ وہ بدی اور بدکرداری کو پسند نہیں کرتا...... لیکن اسکے مقابلہ پر بھی اسلامی ممالک میں یہ ادارے بے راہ روی پھیلانے والے موجود ہیں جو دن رات اپنی کارکردگی کو بہتر بنانے کے ضمن میں اسلامی شعائر کو نقصان پہنچانے میں مصروف ہیں۔

اگر ان اداروں کی اصلاح کو مدِ نظر رکھا جائے اور اسلامی شعائر کو پامال کرنے سے روک دیا جائے تو معاشرہ کی کافی حد تک اصلاح ہو سکتی ہے اور دہشت گردی نیز بے راہ روی کا سدباب ہو سکتا ہے۔

اسلام کے قوانین اٹل ہیں جو بدلے نہیں جا سکتے کوئی بھی حکومت اور پارلیمنٹ انہیں بدل نہیں سکتی۔ اور نہ ہی اسلام کی پارلیمنٹ (مجلسِ شوریٰ) ایسے انسانوں پر مشتمل ہو سکتی ہے جو شریعت اور خوفِ الٰہی سے عاری ہوتے ہوئے جلبِ منفعت کا شکار ہوں، لھذا اسلام کے قوانین کو اگر بروئے کار لایا جائے تو دنیا کو چین اور حقیقی امن نصیب ہو سکتا ہے

لیکن موجودہ جمہوریت کے شائق اور متاثر انسان اپنے مخصوص حالات اور مخصوص مفاد میں اسے پسند کرتے ہیں اتنا ہی نہیں بلکہ اسے اسلامی قرار دینے سے بھی حجاب محسوس نہیں کرتے، اور مجلسِ شوریٰ کو جمہوری پارلیمنٹ ہی قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ مجلسِ شوریٰ اور پارلیمنٹ میں بنیادی فرق یہ ہے کہ موجودہ جمہوری پارلیمنٹ کے ممبر جہلاء، ان پڑھ، ملکی معاملات سے ناواقف اور خوفِ الٰہی سے عاری بھی ہو سکتے ہیں۔ جبکہ اسلامی نظام میں مجلسِ شوریٰ کے ہر ممبر کے لئے اسلام سے واقفیت، پڑھا لکھا ہونا، ملکی مفاد کو پیشِ نظر رکھنا نیز خوفِ الٰہی سے سرشار ہونا

ضروری ہے کوئی بھی اسلام سے ناواقف انسان مجلس شوریٰ کا ممبر نہیں ہو سکتا۔

جب ہر ممبر میں اسلام پسندی اور خوفِ الٰہی ہوگا تو بہتر نتائج کا سامنے آنا ضروری ہوگا۔

اور جب ہر ممبر آزاد اور اپنی رائے کا پابند ہوگا تو بہتر نتائج کی امید عبث ہوگی۔

حضرت علیؓ ایک مکتوب میں حضرت امیر معاویہؓ کو لکھتے ہیں :

"إنه بايعني القوم الذين بايعوا أبابكرؓ و عمرؓ و عثمانؓ بايعوهم عليه، فلم يكن للشاهد أن يختار ولا للغائب أن يرد، وإنما الشورىٰ للمهاجرين والأنصار...... الخ"

(نہج البلاغہ : ۳ / ۷ طبع دار المعرفۃ بیروت۔ لبنان)

یعنی : "میری بیعت ان لوگوں نے کی ہے جنہوں نے حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت کی اور اس امر پر بیعت کی جس پر ان کی بیعت کی، یعنی اطاعت و فرمانبرداری، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ پر، لہذا...... اب صحابہؓ کی بیعت کے بعد کسی بھی حاضر انسان کے لئے اس بات کی (شرعاً) اجازت نہیں کہ وہ اپنی مرضی کرے، اور نہ ہی کسی غائب کے لئے کہ وہ بیعت کو رد کرے، کیونکہ مہاجرین اور انصار کی شوریٰ اگر کسی انسان پر جمع ہو کر اسے امام (امیر) بنالے تو اس میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اب اگر کوئی انسان (بیعت کے بعد) خروج اختیار کریگا۔ تو مسلمان از خود اسے جماعت کی طرف لائیں گے اور اگر وہ انکار کریگا اور مومنوں کے راستے کے علاوہ کوئی اور راستہ اختیار کریگا تو مومنوں کا فرض ہوگا کہ وہ اس سے مقاتلہ (جنگ) کریں، اور اللہ تعالیٰ بھی ایسے انسان کی کوئی پرواہ نہ کریگا"۔

حضرت علیؓ کے مذکورہ مکتوب میں (وإنما الشورىٰ للمهاجرين والأنصار) کے الفاظ اس بات کی واضح نشان دہی کرتے ہیں کہ مجلسِ شوریٰ کی ہیئتِ ترکیبی صرف انصار اور مہاجرین جیسے اہل اللہ اور علم نبوت سے واقف، نیک، دیندار، خیر خواہ لوگوں ہی پر مشتمل ہو سکتی ہے اور اس کے فیصلہ کی پابندی بھی امیر کی رضامندی کے ساتھ لازمی ہے۔

موجودہ جمہوریت میں ہر کوئی انسان عہدہ کو حاصل کرنے کیلئے آگے بڑھ سکتا ہے جبکہ شرعی نظام میں عہدہ کے طلبگار کو آگے آنے کی اجازت نہیں۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے چچازاد بھائی اطلاع دیئے بغیر انہیں آپ ﷺ کے پاس عامل بنائے جانے کے متعلق سفارش کیلئے لے گئے، تو آپ ﷺ نے فرمایا :

"ہم ایسے انسان کو عامل نہیں بناسکتے جو عمل کی خواہش رکھتا ہو"۔ (صحیح مسلم شریف : ۱ / ۱۲۰)

لہذا اب ایسے فرمان نبویؐ کی موجودگی میں ممبر شپ کے طلبگار کو آگے بڑھنے کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے

یا اسے آگے کیسے لایا جاسکتا ہے ؟"۔

کبھی آپ ﷺ عہدہ کے طلبگار کو یوں کہنے کی بجائے کہ "عہدہ کے طلبگار کو ہم عہدہ نہیں دیتے"۔ یوں مطمئن فرماتے :

"اگر امارت بغیر سوال کے ملے تو اس میں اللہ تعالی کی طرف سے مدد ہوتی ہے اور اگر سوال (کوشش) پر ملے تو اس میں اللہ تعالی کی مدد نہیں ہوتی بلکہ انسان کی اپنی ذمہ داری پر چھوڑ دی جاتی ہے"۔

اور کبھی طلبگار سے آپ ﷺ یوں فرماتے :

"تمہیں میری وفات کے بعد نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑے گا، لہذا ذمہ داریوں سے بچنا، چہ جائیکہ کہ نامساعد حالات کے ہوتے ہوئے کوئی کسی عہدہ (ذمہ داری) کو طلب کرے"۔

بہر حال آپ ﷺ کی نظر میں عہدہ کی طلب اچھی چیز نہیں کیونکہ اس سے انسان کی حرص سامنے آتی ہے۔

اسلام میں تو عہدہ کے طلبگار کی یہ پوزیشن ہے کہ وہ عہدہ طلب نہیں کر سکتا تو پھر انتخاب میں ہر طرح کی جائز و ناجائز کوشش سے انسان آگے کیسے آسکتا ہے ؟ آخر اس ممبر شپ سے بھی کوئی بڑا عہدہ ہے جس میں اتنی آزادی سے انسان اتنا کچھ کر لیتا ہے۔ جتنا کچھ کوئی بھی دوسرا عہدہ دار حاصل نہیں کر سکتا۔

آخر میں ہم یہ ہی کہہ سکتے ہیں کہ جمہوریت کی ابتداء تو اسلامی اصولوں پر مبنی ہونے کے باعث ایک خوش کن چیز تھی لیکن غلط اور حرص و لالچ پر مبنی امور کا داخل ہو جانے سے اس کی افادیت کافی کچھ مجروح ہو کر رہ گئی، اور اگر آج بھی جمہوریت اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی اصلاح کر لے تو اسکی صحیح افادیت عود کر سکتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ اسلام کے شورائی نظام کے اصولوں کو اپنانے سے ہوگا کیونکہ شورائی نظام کے اصول شرعی اور الہامی ہیں جبکہ دنیا کے دوسرے نظاموں کے اصول انسانی ہیں۔ ظاہر ہے الہامی اصولوں کا مقابلہ انسانی اصولوں سے ناممکن ہے۔

بہر حال دنیا کے حالات اور واقعات کچھ پتہ دے رہے ہیں کہ بالآخر انسان اسلامی شورائی نظام کے اپنانے میں اپنی نجات اور بھلائی سمجھے گا اور ہماری دعا بھی یہ ہی ہے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العلمین ۔

مرکزی جامع مسجد اہلحدیث چوک اہلحدیث جہلم میں
روزانہ بعد از نماز عصر
مختصر درسِ حدیث
اور ہر جمعرات کو بعد از نماز عشاء
درسِ قرآن وحدیث ہوتا ہے۔

جامعہ علوم اثریہ جہلم میں ہر جمعۃ المبارک کو بعد از نمازِ مغرب
قرآن وحدیث کی روشنی میں عقیدہ و عمل کے موضوع پر
درسِ قرآن وحدیث
رئیس الجامعہ **علامہ محمد مدنی** صاحب ارشاد فرماتے ہیں